تلاش میں انجیل مقدّس کو کھولا تو اتفاق سے حضرت یوسفؑ کا یہی واقعہ سامنے آگیا۔ پڑھا تو حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ سارا قصہ قریب قریب وہی ہے جس کو قرآن نے " احسن القصص (بہترین قصہ) کہہ کر بیان کیا ہے لیکن ایک چھوٹا سا فقرہ جس میں غلّہ کو محفوظ رکھنے کا راز بتایا گیا ہے، مفقود ہے۔ حالانکہ اس کتاب مقدّس میں ہر چیز غیر معمولی تفصیل کے ساتھ بیان ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ بھی قرآن کی آیات کے مقابلہ میں چالیس آیتوں پر مشتمل ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

" فرعون نے خواب میں دیکھا کہ وہ لب دریا کھڑا ہے اور اسی دریا میں سے سات خوبصورت اور موٹی گائیں نکل کر نیستاں میں چرنے لگیں۔ اُن کے بعد اور سات بدشکل اور دُبلی پتلی گائیں دریا سے نکلیں اور ان ساتوں خوبصورت اور موٹی گایوں کو کھا گئیں۔ پھر اس نے دوسرا خواب دیکھا کہ ایک ڈنٹھی میں اناج کی سات موٹی اور اچھی اچھی بالیں نکلیں۔ ان کے بعد اور سات پتلی اور پوربی ہوا کی ماری مرجھائی ہوئی بالیں نکلیں۔ یہ پتلی بالیں ان ساتوں موٹی اور بھری ہوئی بالوں کو نگل گئیں اور فرعونؔ جاگ گیا اور اسے معلوم ہوا کہ یہ خواب تھا۔ صبح کو یوں ہوا کہ اس کا جی گھبرایا۔ تب اس نے مصر کے سب جادوگروں اور سب دانش مندوں کو بُلوا بھیجا اور اپنا خواب ان کو بتایا۔ پر اُن میں سے کوئی فرعون کے آگے ان کی تعبیر نہ کر سکا۔ (اس کے بعد اس کے ساتھی نے فرعون سے اپنے خواب اور حضرت یوسفؑ کا ذکر کیا تو) تب فرعون نے یوسفؑ کو بُلا بھیجا (اور ان سے اپنے دونوں خواب بیان کئے (جس کی تفصیل دوبارہ بیان ہوئی ہے)۔ تب یوسفؑ نے فرعون سے کہا کہ دونوں خواب ایک ہی ہیں، جو کچھ خدا کرنے کو ہے اسے اس نے فرعون پر ظاہر کر دیا ہے۔ وہ سات اچھی اچھی گائیں سات برس ہیں اور وہ اچھی اچھی بالیں بھی سات برس ہیں۔ خواب ایک ہی ہے اور وہ سات بدشکل اور دُبلی گائیں جو ان کے بعد نکلیں اور وہ سات خالی اور پوربی ہوا کی ماری مرجھائی ہوئی بالیں بھی سات برس ہی ہیں مگر کال کے سات برس ...
دیکھ سارے ملک مصر میں سات برس تو پیداوار کثیر کے ہوں گے۔ اُن کے بعد سات برس کال کے آئیں گے اور تمام ملک مصر میں لوگ اس ساری پیداوار کو بھول جائیں گے اور یہ کال ملک کو تباہ کر دے گا اور ارزانی ملک میں یاد بھی نہ رہے گی کیونکہ جو کال ملک میں پڑے گا وہ نہایت ہی سخت ہوگا..... فرعون کو چاہیئے کہ ایک دانشور اور عقلمند آدمی کو تلاش کرے اور اسے ملک مصر پر مختار بنائے۔ فرعون یہ کرے کہ اس آدمی کو اختیار ہو کہ وہ ملک میں ناظروں کو مقرر کرے اور

یوسفؑ نے نہ صرف اس کی واضح تشریح فرمائی بلکہ اس ہمہ گیر قحط سے بچنے کی راہ بھی بتادی ۔ ان آیات کا ترجمہ ملاحظہ ہو :

" بادشاہ نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ سات مجرب (موٹی) گائیں جن کو سات دُبلی پتلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سرسبز خوشے (جنہیں) دوسرے خشک خوشے (کھا رہے ہیں) ۔ اے سردارو! اگر تم خوابوں کی تعبیر کر سکتے ہو تو میرے اس خواب کی تعبیر کرو ۔ انہوں نے کہا یہ پریشان خیالات ہیں اور ہمیں ایسے خوابوں کی تعبیر نہیں آتی ...."

.... حضرت یوسفؑ نے کہا ۔ " تم سات برس خوب کھیتی کرو گے ۔ پس جو کچھ تم کاٹو تو اُسے خوشوں کے اندر ہی رہنے دو بجُز اس تھوڑے کے جو تم کھاؤ ۔ اس کے بعد تمہارے لئے سات بڑے سخت سال آئیں گے اور تم وہ سب کچھ جو جمع کر رکھو گے کھا جاؤ گے بجُز اس تھوڑے سے غلّہ کے جو (بیج کے واسطے) تم بچا لو گے ۔ اس کے بعد ایک سال آئے گا جس میں خوب بارش ہو گی اور لوگ (انگور سے شراب) نچوڑیں گے ۔" (سورۃ یوسف آیات ۴۳ ۔ ۴۹)

اتفاق دیکھئے کہ اسی وقت میرے گاؤں کا کہن سالہ نمبردار جوہری مل جائیداد کے متعلق کچھ ضروری ہدایات حاصل کرنے کی غرض سے آیا ہوا تھا ۔ وہ تمام باتیں بڑے غور سے سُن رہا تھا اور بقول شخصیکہ "جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے" ۔ کہنے لگا " بے شک یہ بھگوان ہی کی بات ہے ۔ ہم بوڑھے ہو گئے ۔ ساری عمر اسی دشت کی سیاحی میں گذری مگر یہ معمولی سی بات سمجھ میں نہ آئی ۔ ہر سال ہمارا سینکڑوں من اناج دو طرح سے ضائع ہوتا ہے ۔ یا تو اس میں گھن لگ جاتا ہے یا اُسے موسے (چوہے) نہ صرف کھا جاتے بلکہ اس کے ڈھیر پر چڑھ کر پیشاب کرتے اور بیشتر حصّہ بیکار کر دیتے ہیں ۔ اب جو میں اس پر غور کرتا ہوں تو سمجھ میں آتا ہے کہ اگر ہم غلّہ کو بالوں کے اندر چھوڑ دیں تو اوپر کا خول اتنا سخت ہوتا ہے کہ گھن اس کے اندر گھس ہی نہ سکے گا اور سارا اناج محفوظ رہے گا ۔ دوسرے یہ کہ اس کی بالی چکنی اور پھسلواں ہوتی ہے ۔ چوہا کنارے پر جتنا چاہے کھا لے لیکن غلّہ کے ڈھیر پر چڑھنا اس کے لئے ناممکن ہو جائے گا اور وہ سب اس کی گندگی اور تباہ کاری سے بچا رہے گا ۔"

اس واقعہ کو ایک زمانہ گزر گیا ، بات بھولی بسری ہو گئی لیکن حال ہی میں جب ایک حوالہ کی

تلاش میں انجیل مقدّس کو کھولا تو اتفاق سے حضرت یوسفؑ کا یہی واقعہ سامنے آگیا۔ پڑھا تو حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ سارا قصہ قریب قریب وہی ہے جس کو قرآن نے " احسن القصص (بہترین قصہ) کہہ کر بیان کیا ہے لیکن ایک چھوٹا سا فقرہ جس میں غلّہ کو محفوظ رکھنے کا راز بتایا گیا ہے ،مفقود ہے۔ حالانکہ اس کتاب مقدّس میں ہر چیز غیر معمولی تفصیل کے ساتھ بیان ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ بھی قرآن کی آیات کے مقابلہ میں چالیس آیتوں پر مشتمل ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

" فرعون نے خواب میں دیکھا کہ وہ لب دریا کھڑا ہے اور اسی دریا میں سے سات خوبصورت اور موٹی گائیں نکل کر نیساں میں چرنے لگیں۔ ان کے بعد اور سات بدشکل اور دُبلی پتلی گائیں دریا سے نکلیں اور ان ساتوں خوبصورت اور موٹی گایوں کو کھا گئیں۔ پھر اس نے دوسرا خواب دیکھا کہ ایک ڈنٹھی میں اناج کی سات موٹی اور اچھی اچھی بالیں نکلیں۔ ان کے بعد اور سات پتلی اور پوربی ہوا کی ماری مرجھائی ہوئی بالیں نکلیں۔ یہ پتلی بالیں ان ساتوں موٹی اور بھری ہوئی بالوں کو نگل گئیں اور فرعون جاگ گیا اور اسے معلوم ہوا کہ یہ خواب تھا۔ صبح کو یوں ہوا کہ اس کا جی گھبرایا۔ تب اس نے مصر کے سب جادوگروں اور سب دانشمندوں کو بُلوا بھیجا اور اپنا خواب ان کو بتایا۔ پر اُن میں سے کوئی فرعون کے آگے ان کی تعبیر نہ کرسکا۔ (اس کے بعد اس کے ساتھی نے فرعون سے اپنے خواب اور حضرت یوسفؑ کا ذکر کیا تو) تب فرعون نے یوسفؑ کو بُلا بھیجا (اور ان سے اپنے دونوں خواب بیان کئے (جس کی تفصیل دوبارہ بیان ہوئی ہے)۔ تب یوسفؑ نے فرعون سے کہا کہ دونوں خواب ایک ہی ہیں، جو کچھ خدا کرنے کو ہے اسے اس نے فرعون پر ظاہر کر دیا ہے۔ وہ سات اچھی اچھی گائیں سات برس ہیں اور وہ اچھی اچھی بالیں بھی سات برس ہیں۔ خواب ایک ہی ہے اور وہ سات بدشکل اور دُبلی گائیں جو ان کے بعد نکلیں اور وہ سات خالی اور پوربی ہوا کی ماری مرجھائی ہوئی بالیں بھی سات برس ہی ہیں مگر کال کے سات برس... دیکھ سارے ملک مصر میں سات برس تو پیداوار کثیر کے ہوں گے۔ اُن کے بعد سات برس کال کے آئیں گے اور تمام ملک مصر میں لوگ اس ساری پیداوار کو بھول جائیں گے اور یہ کال ملک کو تباہ کر دے گا اور ارزانی ملک میں یاد بھی نہ رہے گی کیونکہ جو کال ملک میں پڑے گا وہ نہایت ہی سخت ہوگا...... فرعون کو چاہئیے کہ ایک دانشور اور عقلمند آدمی کو تلاش کرے اور اسے ملک مصر پر مختار بنائے۔ فرعون یہ کرے کہ اس آدمی کو اختیار ہو کہ وہ ملک میں ناظروں کو مقرر کرے اور

ارزانی کے سات برسوں میں سارے ملک مصر کی پیداوار کا پانچواں حصّہ کرلے اور وہ ان اچھے برسوں میں جو آتے ہیں سب کھانے کی چیزیں جمع کریں اور شہر شہر میں غلّہ جو فرعون کے اختیار میں ہو خوراک کے لئے فراہم کرکے اس کی حفاظت کریں۔ یہی غلّہ ملک کے لئے ذخیرہ ہوگا اور ساتوں برس کے لئے جب تک ملک میں کال رہے گا کافی ہوگا تاکہ کال کی وجہ سے ملک برباد نہ ہو جائے ......" (کتاب پیدائش باب ۴۱ ۔ آیات ۱ تا ۴۰)

آپ نے دیکھا کہ قرآن کے مقابلے میں انجیل نے ہر بات کو کتنی واضح طور پر بیان کیا ہے لیکن اناج کو بالوں میں محفوظ رکھنے کا طریقہ اس میں نہیں پایا جاتا۔ غور طلب امر یہ ہے کہ اس مفید اور آسان نسخہ سے اس کے صفحات کیوں خالی ہیں۔ دو ہی اسباب ممکن ہیں یا تو اس کی تدوین کرنے والوں نے اس وضاحت کو غیر ضروری سمجھ کر ترک کر دیا ہو۔ لیکن یہ بات اس لئے قرین قیاس نہیں کہ اس ترکیب کی افادیت مسلّمہ ہے یا پھر یہ فقرہ اصل متن ہی میں موجود نہ ہو۔ اس پر لازمی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن اور انجیل دونوں ہی آسمانی کتابیں ہیں۔ دونوں میں ایک ہی واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ تحریف کی یہاں نہ ضرورت ہے نہ گنجائش پھر یہ فرق کیوں ہے۔

اس کے لئے ہمیں ان الفاظ پر غور کرنا ہوگا جو خدا تعالیٰ نے قرآن کی فضیلت میں بیان فرمائے ہیں۔ مثلاً اسے ابتداء ہی میں "کتاب" سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے معنی کتاب الاحکام کے ہیں۔ فرقان کہا گیا ہے جو کھرے کھوٹے کو الگ کرکے دکھاتی ہے۔ "ہدٰی" کے نام سے یاد کیا ہے جو انسان کی صحیح رہنمائی کرتی ہے۔ "نور" فرمایا گیا ہے جو دل و دماغ کو منوّر کرتی ہے۔ "موعظۃ" کا لقب دیا گیا ہے کیونکہ اس میں ہر طرح کی نصیحتیں موجود ہیں۔ وغیرہ۔ اس طرح اس کو "حکمۃ" بھی کہا گیا ہے جس کے معنی دانائی، سمجھ داری، علم اور وقوف کے ہیں۔ ان تمام صفات کو ایک کتاب میں جمع کر دینے کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ پچھلی تمام آسمانی کتابیں ایک خاص زمانہ اور ماحول کے مطابق نازل ہوئی تھیں اور ان میں حالات کے مطابق امور اور احکام کی تفصیل تھی۔ لیکن قرآن چونکہ آخری صحیفۂ مکرّم ہے اور اسے قیامت یا انسانی زندگی کے اختتام تک باقی رہنا ہے۔ اس لئے اس

باقی ص ۴۶

ے اس جگہ تحفّظ کا جو گُر قرآن بتاتا ہے وہ غائب ہے۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

خودی اور تخلیق

عمل تخلیق میں حق کے ساتھ باطل، نیکی کے ساتھ بدی اور زیبائی کے ساتھ زشتی کا ظہور ضروری ہے

الغرض خودی کی فطرت کی بنا پر جس میں جمالی اور جلالی دونوں قسم کی صفات موجود ہیں یہ ضروری ہے کہ جب خودی ایک حسین اور کامل نصب العینی مخلوق کو بتدریج وجود میں لانے کا عمل شروع کرے تو اس عمل کی ابتدا کے ساتھ ہی حسن کے بالمقابل قبح، زیبائی کے بالمقابل زشتی، حق کے بالمقابل باطل اور نیکی کے بالمقابل بدی فوراً موجود ہو جائیں۔ جب تک تخلیق کا آغاز نہ ہو اس وقت تک عملی طور پر معلوم نہیں ہو سکتا کہ کون سی چیز مقصدِ تخلیق کے مطابق ہے اور کون سی غیر مطابق، لہٰذا حق کیا ہے اور باطل کیا ہے، حسن کیا ہے اور قبح کیا ہے، زیبائی کیا ہے اور زشتی کیا ہے، نیکی کیا ہے اور بدی کیا ہے، خیر کیا ہے اور شر کیا ہے۔ جب تک شاخ نہیں پھوٹتی نہ گل ہوتا ہے اور نہ خار، اور جب پھوٹتی ہے تو دونوں نکل آتے ہیں۔ اسی طرح سے جب تک خودی تخلیق کا آغاز نہیں کرتی زشت اور نکو دونوں کا وجود نہیں ہوتا لیکن جب آغاز کرتی ہے تو دونوں خود بخود بیک وقت نمودار ہو جاتے ہیں۔ ورنہ تخلیق جاری ہی نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ تخلیق ترکِ زشت اور اختیارِ نکو کا ہی نام ہے۔ اقبال نے اس کاشفِ اسرارِ حقیقت کو دو شعروں میں بیان کیا ہے:

چہ گویم نکتۂ زشت و نکو چیست
زباں لرزد کہ معنی پیچ دار است
بروں از شاخ بینی خار و گل را
درونِ اُو نہ گل پیدا نہ خار است

تخلیق سے رُوگردانی کفر ہے

انسان بھی جب نیکی اختیار کرتا ہے اور بدی ترک کرتا ہے تو خدا کے مقصد کی تائید کرتا ہے اور خدا کی تخلیق میں شریک ہوتا ہے۔ اگر وہ خدا کی تخلیق میں شریک نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے بدی کو اختیار کر لیا ہے اور نیکی کو ترک کر دیا ہے اور وہ خدا کے تصورِ حسن اور مقصدِ تخلیق کا مخالف ہے۔ ایسے شخص کو اگر کافر یا زندیق کہا جائے تو بالکل بجا ہے:

ہر کہ اُو را لذّتِ تخلیق نیست
پیشِ ماجز کافر و زندیق نیست

لوحِ محفوظ اور تقدیر

جیسا کہ اُوپر عرض کیا گیا ہے کائنات کی شعوری یا ذہنی حالت میں جسے قرآن حکیم نے لوحِ محفوظ یا اُمّ الکتاب یا کتاب مبین یا کتاب محفوظ کہا ہے تخلیق کے امکانات کے تمام سلسلے موجود ہوتے ہیں اور ہر سلسلۂ امکانات آزادانہ طور پر ظہور پذیر ہو کر ردّ یا قبول کیے جانے کے لیے مہیا ہوتا ہے۔ تاہم ان میں سے صرف ایک سلسلۂ امکانات ایسا ہوتا ہے جو خدا کے مقصد سے پوری پوری مطابقت رکھتا ہے اور قبول ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس حقیقت کی روشنی میں یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ تخلیق کے آزاد ہونے کے باوجود کیوں قرآن نے فرمایا ہے کہ کوئی خشک یا تر چیز لوحِ محفوظ سے باہر نہیں (وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۶۔۵۹) اور ایک حدیث میں ہے کہ جو کچھ ہونے والا ہے وہ لکھا گیا ہے اور اسے لکھنے کے بعد قلم خشک ہو گیا ہے کہ اس سے اور کچھ لکھا نہیں جا سکتا (جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ) کائنات کی اسی شعوری حالت کو اقبال زمانِ خالص کہتا ہے۔ اسی زمانِ خالص کو قرآن حکیم نے تقدیر کا نام بھی دیا ہے۔

اقبال لکھتا ہے:۔

زمانِ خالص جیسا کہ ہمارے شعوری تجربہ کے گہرے تجزیہ سے آشکار ہے۔ الگ

الگ رجعت پذیر واقعات کی ایک لڑی نہیں بلکہ ایک عضوی کُل ہے جس میں ماضی پیچھے نہیں رہ جاتا بلکہ حال کے ساتھ رہتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے مستقبل زمانِ خالص کے لیے ایک طے شدہ حقیقت کے طور پر موجود ہوتا ہے لیکن ان معنوں میں نہیں کہ وہ سامنے پڑا ہوا ہے اور اسے فقط عبور کرنا باقی ہے بلکہ ان معنوں میں کہ وہ اس کی فطرت میں ایک ایسے امکان کی حیثیت سے موجود ہوتا ہے جسے آزادانہ طور پر ردّ یا قبول کیا جا سکتا ہے۔ جب زمان کو اس طرح سے ایک عضوی کل کی حیثیت سے دیکھا جائے تو اسی کو قرآن حکیم نے تقدیر کا نام دیا ہے اور یہ ایک ایسا لفظ ہے جسے عالمِ اسلامی کے اندر اور باہر نہایت ہی غلط طور پر سمجھا گیا ہے۔ تقدیر زمان کی وہ حالت ہے جس میں اس کے ممکنات ابھی پردۂ خفا سے باہر آئے ہوئے نہیں ہوتے۔"

قرآن حکیم کا نظریۂ تخلیق اور خودی

تخلیق کائنات کے متعلق اقبال کا یہ نظریہ کہ اس کا بنیادی سبب خدا کی صفت محبت اور اس کے ضمن میں اور اس کے ماتحت خدا کی تمام صفاتِ جلال و جمال کا اظہار ہے قرآن حکیم کے ارشادات کے مطابق ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ خدا نے کائنات کو بالحق پیدا کیا ہے۔ ایک کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا۔

(۱) وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ٥ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (الدخان: ۳۸-۳۹)

(اور ہم نے کائنات کو کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا بلکہ ہم نے اُسے بالحق پیدا کیا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے)

(۲) خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ٥

(خدا نے کائنات کو بالحق پیدا کیا ہے بے شک اس حقیقت کے اندر اس پر ایمان لانے والوں کے لیے خدا کا ایک نشان ہے)

(۳) وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔ (الجاثیۃ: ۲۲)

(اور خدا نے کائنات کو بالحق پیدا کیا ہے تاکہ ہر جان کو اس کے عمل کا بدلہ دیا جائے اور ان پر کوئی ظلم نہ کیا جائے گا)

بعض قدیم وجدید مفسرین نے بالحق سے مراد یہ لی ہے کہ کائنات کی تخلیق بے مقصد نہیں بلکہ یہ کسی نظام اور قانون کسی "ضبط اور ترتیب" اور کسی "حکمت اور مصلحت" کے مطابق ہے لیکن جب ہم اُوپر کی آیات میں سے آیت نمبر ایک کی روشنی میں اس بات پر غور کرتے ہیں کہ قرآن حکیم کے نزدیک بالحق کا جو مفہوم بھی ہے وہ کھیل یا لعب کے برعکس ہے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ بالحق کی یہ تفسیر قرآن حکیم کے مفہوم کو پوری طرح سے ادا نہیں کرتی۔

لعب اور تخلیق میں فرق

کیونکہ اگر ہم کسی کھیل پر مثلاً فٹ بال، کرکٹ یا شطرنج وغیرہ پر غور کریں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ ہر کھیل کا بھی ایک مقصد یا نصب العین ہوتا ہے مثلاً فٹ بال کھیلنے والی ٹیم کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ رکاوٹوں کے باوجود زیادہ سے زیادہ گول جیتے کرکٹ کی ٹیم کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ دوسری ٹیم سے زیادہ دوڑیں بناتے اور شطرنج کھیلنے والی ہر پارٹی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مقابل کی پارٹی کو پہلے مات کرے۔ وعلیٰ ہذا القیاس، اور پھر ہر کھیل کے عمل کے لیے کھیل کے مقصد کے ماتحت اور اس کے تنگ دائرہ کے اندر بھی ایک "نظام اور قانون" ایک "ضبط اور ترتیب" اور ایک "حکمت اور مصلحت" کا وجود ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر کھیل کے معین قاعدے اور ضابطے اور طریقے ہوتے ہیں۔ دراصل ایک کھیل اور سنجیدہ عمل میں فرق یہ نہیں کہ ایک کا مقصد نہیں ہوتا اور دوسرے کا مقصد ہوتا ہے۔ بلکہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ کھیل کا مقصد نقلی اور فرضی اور بناوٹی ہوتا ہے جس کا خودی کی فطرت کے سچے تقاضوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا اس کے برعکس سنجیدہ عمل کا مقصد خودی کی غیر مبدل فطرت اور اس کے نصب العین کی محبت سے پیدا ہوتا ہے اور خودی کی آرزوئے حسن کی تشفی کرتا ہے۔ حق خدا کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک ہے۔ خدا حق ہے کیونکہ قائم بالذات لازوال

اور ثابت اور اٹمٹ ہے۔

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ۔ (یونس: ۳۲)

(یہ تمہارا پروردگار ہے جو حق ہے)

فَتَعَالَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ۔ (طٰہٰ: ۱۱۴)

(پس بلند ہے اللہ جو بادشاہ ہے برحق)

خدا کی ذات کی مرکزی صفت محبت بھی حق ہے اور اس کے سلسلہ میں اس کے شیونِ اور کوائف کے طور پر اظہار پانے والی جملہ صفات جلال وجمال بھی حق ہیں۔ اسی طرح سے خدا کی محبت اور جملہ صفات جمال وجلال کا مقصود اور مطلوب یعنی خدا کا نصب العین (یا آئندہ زمانہ میں حالتِ کمال کو پہنچنے والی کائنات یا نوع انسانی) بھی حق ہے۔ کیونکہ وہ خدا کی صفاتِ حقہ سے پیدا ہوتا ہے اور ان کا مرجع اور مظہر ہے۔

اِک تو ہے کہ حق ہے اس جہاں میں
باقی ہے فقط نمودِ سیمیائی!

تخلیق بالحق کا مطلب

لہٰذا تخلیق بالحق کا مطلب ہے ایسی تخلیق جو خدا کی صفاتِ حقہ کے اظہار کے لیے عمل میں آئی ہو اور جس میں خدا کی صفاتِ حقہ کا اظہار ہو رہا ہو۔ کائنات کی تخلیق تخلیق بالحق ہے۔ کیونکہ یہ خدا کی صفاتِ حقہ کے اظہار کے لیے عمل میں آئی ہے اور اس میں خدا کی صفاتِ حقہ جلوہ گر ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم نے کائنات کی تخلیق بالحق کو خدا کی ہستی اور صفات کا اور نیز اس بات کا کہ خدا پر ایمان لانا ضروری ہے ایک نشان یا ثبوت کہا ہے۔

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ○ (العنکبوت: ۴۴)

خدا نے کائنات کو بالحق پیدا کیا ہے۔ بیشک اس حقیقت پر ایمان لانے والوں کے لیے اس کے اندر خدا کا ایک نشان یا ثبوت موجود ہے

تخلیق بالحق میں نشانِ راہ

کائنات کی تخلیق بالحق ایک نشان اس لیے ہے کہ

اوّل جو اس پر ایمان لائے گا اسے یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ اسے حق کی حمایت اور باطل کی مخالفت کرنا ہے ورنہ وہ باطل کے ساتھ خود بھی پس جائے گا۔

دوئم۔ چونکہ کائنات کی تخلیق تخلیق بالحق ہے وہ خدا کی صفات کی جلوہ گاہ ہے اور لہٰذا خدا کی معرفت کا ذریعہ ہے۔ اگر کائنات کی تخلیق بالحق نہ ہوتی تو اس میں خدا کی مرکزی صفت محبّت کا اظہار نہ ہوتا یعنی اس کا مقصد خدا کا کوئی سچّا اور محبوب نصب العین نہ ہوتا اور اگر اس میں صفت محبّت کا اظہار نہ ہوتا تو اس میں ربوبیت یعنی تدریجی تربیت اور تکمیل بھی نہ ہوتی اور چونکہ خدا کی تمام صفات ربوبیت کے عمل میں اظہار پاتی ہیں لہٰذا اس صورت میں کائنات کے اندر خدا کی صفات جمال و جلال کا اظہار نہ ہو سکتا۔ ایسی صورت میں اس تخلیق کا مشاہدہ اور مطالعہ ہمارے لیے معرفتِ حق کا سبب نہ بن سکتا لیکن چونکہ کائنات کی تخلیق بالحق ہے، کائنات خدا کی ہستی اور صفات کا نشان اور خدا پر ایمان لانے کی ضرورت کا ثبوت اور خدا کی معرفت کا ذریعہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کائنات کی تخلیق بالحق نہ ہوتی تو ہم ایمان لانے کے لیے مکلّف اور جزا اور سزا کے مستحق نہ ٹھہرتے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم نے ارشاد فرمایا ہے:

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ
بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (الجاثیۃ: ۲۲)

اللہ نے آسمانوں اور زمین کو بالحق پیدا کیا ہے تاکہ ہر جان کو اس کے عمل کی جزا یا سزا ملے اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

فرضی نصب العین اور غلط نصب العین میں فرق نہیں

کھیل کے نقلی، بناوٹی اور فرضی نصب العین سے جو عمل سرزد ہوتا ہے وہ انسان کو اس کے فطری مقصودِ حیات کی طرف ایک قدم بھی آگے نہیں لے جاتا۔ چونکہ غلط نصب العین بھی فرضی